© rasailojaraid.com

مولانا محمد عیسیٰ منصوری

عصرِ حاضر میں اسلام کی تعبیر و تشریح

زیر نظر تحریر میں مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے دورِ حاضر میں دعوت اسلام کے بعض نہایت اہم پہلوؤں پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس موضوع پر ہم دیگر اہل علم کی سنجیدہ فکری تحریروں کو بھی خوش آمدید کہیں گے۔ (مدیر)

مغرب میں مسلمانوں کے مستقبل کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اسلام کے پیش کرنے میں کیا حکمتِ علمی اختیار کرتے ہیں۔ ایک طبقہ اسلام کو محض نظامِ اقتدار بنا کر پیش کر رہا ہے جس کے نتیجے میں مقامی آبادی میں اسلام سے وحشت پیدا ہو رہی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ مسلمان یہاں اقتدارِ اعلیٰ کے خواب دیکھ رہے ہیں جبکہ صحیح طریقہ یہ تھا کہ اسلام کے نظامِ عقائد کو پیش کیا جاتا یعنی اسلام کے نظریہ وفکر کو جو آج کے نظریاتی دور اور اہلِ مغرب کی نفسیات کے عین مطابق ہوتا اور مغربی اقوام کو سنجیدگی اور کھلے دل سے اس پر غور کرنے کا موقع ملتا۔ چنانچہ مدیر "الرسالہ" جناب وحید الدین خان ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "ہر انسانی گروہ کا ایک نظامِ عقائد ہوتا ہے اور اس کا نظامِ اقتدار۔ موجودہ زمانہ کے مسلمان نظامِ اقتدار کے اعتبار سے دوسری قوموں سے پیچھے ہو گئے ہیں لیکن نظامِ عقائد (فکر و نظریہ) کے اعتبار سے آج بھی وہ تمام قوموں سے زیادہ طاقت ور ہیں مگر مسلمانوں کے قائدین ساری دنیا میں یہ کر رہے ہیں کہ وہ نظامِ اقتدار کے میدان میں دوسری قوموں سے ٹکرا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے حصے میں شکست و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں آ رہا ہے۔ اگر وہ اس بے فائدہ ٹکراؤ کو ختم کر دیں اور نظامِ عقائد کے میدان میں دوسری قوموں کو اپنا مخاطب بنائیں تو بہت جلد وہ دیکھیں گے کہ ان کی شکست کی تاریخ فتح کی تاریخ میں تبدیل ہو گئی ہے۔"

۱۹۹۴ء میں امریکہ میں عالمی مذاہب کانفرنس ہوئی جو ہر سو سال بعد منعقد ہوتی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دنیا کے ہر چھوٹے بڑے مذہب کے پیروکاروں کو اپنے مذہب کا تعارف پیش کرنے کا موقع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا جاتا ہے۔اس کانفرنس میں شرکت کرنے والی ایک علمی شخصیت نے اس کانفرنس کا ایک نہایت قابلِ غور نکتہ تحریر کیا ہے۔وہ یہ کہ کانفرنس میں دوسرے مذاہب پر گفتگو کے دوران لوگ سنجیدہ رہتے اور بغور سنتے مگر جونہی اسلام کے تعارف کا موقع آ جاتا، وہ جارحانہ انداز اختیار کر لیتے۔لوگوں کے اس رویہ کا سبب بتاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ دیگر مذاہب کے نمائندے اپنے مذہب کو فرد کی تعمیر کی حیثیت سے پیش کرتے یعنی ان کا مذہب فرد کے اعمال وعقائد میں کیا تبدیلی چاہتا ہے۔اس کے برعکس اسلام کا نمائندہ اپنی بات یہاں سے شروع کرتا کہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، وہ پورے اجتماعی نظام میں انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔غرض وہ اسلام کو ایک کامل ریاستی نظام کی حیثیت سے پیش کرتا یعنی فرد کے بجائے ریاست کے حوالہ سے۔یہ بدیہی بات ہے کہ جب سیاست وسسٹم کی بات آئے گی تو سامع پر فوری اثر یہ مرتب ہوگا کہ وہ سمجھے گا کہ مسلمان ہم پر سیاسی بالادستی واقتدار کے خواہاں ہیں۔اس طرح خود بخود اسلام کے متعلق ان کا انداز جارحانہ ہو جائے گا اور وہ ذہنی طور پر تناؤ (Tension) کی حالت میں آ جائیں گے۔

موجودہ دور کے مسلمانوں میں اسلام کے حوالے سے اس طرزِ فکر کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ صدیوں میں عالمِ اسلام کے بڑے حصے پر مغرب کی سیاسی حکمرانی رہی ہے۔اس کے ردعمل کے طور پر بیسویں صدی کے دورِ غلامی میں نشوونما پانے والے متعدد اسلامی مفکرین کے ذہنوں پر اسلام کا سیاسی پہلو حاوی ہو گیا۔اس فکر سے مغلوب ہو کر انہوں نے اسلام کی سیاسی تعبیر پیش کرنی شروع کی کیونکہ اسلام کو ایک ریاستی نظام کے طور پر پیش کرنے میں ان کی غلامی کی مجروح انا کو ایک طرح کی تسکین حاصل ہوتی تھی۔حالات کے جبر نے ان کے فہمِ اسلام میں یہ انحراف پیدا کر دیا کہ ان کے نزدیک اسلام کا بنیادی ہدف ومقصد فرد کی تعمیر کے بجائے ریاست واقتدار کا قیام ہے جبکہ فی الواقع اسلام کی یہ تعبیر انتہائی مغالطہ انگیز ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا اصل نشانہ بھی فرد ہے نہ کہ اجتماع۔اجتماعی تبدیلی اس کا بالواسطہ جز ہے نہ کہ براہِ راست۔انسانی شخصیت کی تعمیر ہی اسلام کا اصل مقصد ہے، جس طرح یہ دوسرے مذاہب کا مقصد بیان کیا جاتا ہے۔اسلام کو سیاسی نظام کے انداز میں پیش کرنے کا فوری نقصان یہ ہوتا ہے کہ مخاطب شروع ہی سے تناؤ اور ٹینشن کی کیفیت آ جاتا ہے اور وہ کھلے دل سے اسلام کی بات سننے اور اس پر غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا۔اس موضوع پر جناب خورشید احمد ندیم صاحب لکھتے ہیں:

> ”دین کے ماخذوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کا اصل منتہا ایک اسلامی ریاست کا قیام نہیں ہے مگر مسلمان چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کے پابند ہیں اس لیے جب یہ کہیں مل کر کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرت یا ریاست قائم کریں گے تو ان کے اجتماعی نظام میں ایک ناگزیر تقاضے کے طور پر دین ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اس اعتبار سے یہ اجتماعیت کے متعلق ایک تقاضا ہے نہ کہ دین کا نصب العین۔ اس کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھیے۔ اس امت پر شہادت حق کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اگر انہیں کہیں اقتدار ملے تو وہاں وہ اللہ کے دین کو غالب کریں۔ اب نصب العین اور تقاضے کے اس فرق کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کی موجودہ صورت حال پر نظر ڈالیے تو جناب وحیدالدین خان صاحب کی اس بات سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان اس وقت اس کیفیت میں نہیں کہ کوئی پولیٹیکل ایمپائر کھڑی کریں۔ البتہ وہ ایک ''دعوہ ایمپائر'' ضرور قائم کر سکتے ہیں یعنی اس وقت مواصلات کی ترقی اور آزادی ابلاغ کی اس فضا کو استعمال کرتے ہوئے وہ ایک عالمی دعوت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، لہذا مغرب کے ساتھ کسی مکالمہ میں شریک ہوتے وقت مسلمانوں کو اس پہلو سے بھی غور کرنا ہوگا کہ وہ داعی ہیں اور مغرب ان کا مدعو۔ اس لیے داعی اور مدعو کے مابین تعلق کی صحیح نوعیت ان کے پیش نظر رہنی چاہیے''۔

نیز انسانی فطرت کا یہ پہلو بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آدمی ہمیشہ نظریہ کی تصدیق خارج میں چاہتا ہے۔ جب آپ اسلام کو ایک سیاسی نظام کے طور پر پیش کریں گے تو قدرتی طور پر مخاطب اس کی تصدیق کے لیے مسلم ممالک (سعودی عرب، پاکستان، ایران، عراق) کی طرف دیکھے گا۔ جب وہاں کوئی بہتر سسٹم و نظام نہیں پائے گا تو شروع ہی سے اسلام کی صداقت کے متعلق شک وشبہ کا شکار ہو جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مغرب میں ٹھنڈے دل سے اسلام پر غور کرنے اور اس کے سمجھنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ افراد و جماعتیں ہیں جنہیں اسلام کی سیاسی تعبیر پر اصرار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی سیاسی تعبیر کا ذہن بیسویں صدی کے اوائل میں یورپ کی مسلم دنیا پر سیاسی بالادستی کے ردعمل کے طور پر پیدا ہوا۔ بیسویں صدی دنیا میں مختلف ازموں کے عروج وغلغلہ کا دور ہے، کیمونزم، سوشلزم، سیکولرازم، کیپٹل ازم وغیرہ۔ اس سے متاثر ہو کر بعض اسلامی مفکرین نے اسلام کو ایک ازم کے طور پر پیش کیا۔ اسی طرح اسلام کو بطور تحریک پیش کرنا بھی اسی کا حصہ ہے۔ اگرچہ تحریک عربی لفظ ہے مگر قرآن وحدیث، سیر ومغازی حتیٰ کہ بیسویں صدی سے پہلے فقہ وادب میں تحریک کا لفظ شاذ ونادر ہی استعمال ہوا ہے۔ اس کے لیے عام طور پر دعوت کا لفظ مستعمل تھا۔ اس کے برعکس اگر اسلام کو فطری انداز میں پیش کیا جائے تو اس کی تصدیق کے لیے مخاطب انسانی فطرت کی طرف رجوع کرے گا اور یہاں وہ فوراً اس کی تصدیق پالے گا کیونکہ اسلام کو وہ فطرت انسانی کے عین مطابق پائے گا کیونکہ خالق کائنات نے اسلام کو فطرت کے عین مطابق اور حق کی بنیاد پر بنایا اس لیے فطری انداز میں پیش کیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانے والے اسلام کی تصدیق مخاطب بلا تاخیر خود اپنی فطرت اور قلب کی سطح پر پا جاتا ہے، اسے اس کی تصدیق کے لیے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں رہتی جبکہ غیر فطری (سیاسی) انداز میں پیش کیے جانے والے اسلام کی خارج میں تصدیق نہ پا کر مخاطب ابتدا ہی سے اسلام کی حقانیت کے متعلق شبہات کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔
موجودہ صدی کے بعض اسلامی مفکرین و داعیوں نے اسلام کو ایک سیاسی نظام کے طور پر پیش کر کے نہ صرف دنیا کی اقوام کو اسلام سے دور کیا ہے بلکہ خود اسلام پر بھی بڑا ظلم کیا ہے۔

اس وقت یہ مسئلہ بہت اہم اور قابلِ غور ہے کہ مغرب میں اسلام کی دعوت کے لیے حکمتِ عملی کیا ہو؟ اسلام کے پیش کرنے کا فطری طریقہ یہی ہے کہ مسلمان یہاں اپنے عمل سے اسلام کو پیش کریں اور معتدل انداز میں اسلام کے ان افادی پہلوؤں کو پیش کریں جو ساری دنیائے انسانیت کی بہبود و بھلائی کے لیے ہیں یا علمی طور پر اسلام کے فطرت انسانی، جدید سائنس اور دیگر انسانی علوم کے عین مطابق ہونے کو پیش کیا جائے۔
دنیا کے مذاہب میں یہ خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے کہ جدید سائنس اور دیگر انسانی علوم اپنی ترقی کے ہر مرحلے میں اس کی تصدیق کرتے جا رہے ہیں۔ وہ آج تک قرآن کی ایک بات کو بھی خلافِ واقعہ ثابت نہیں کر پائے جبکہ دیگر مذاہب کی ڈھیروں باتیں سائنس اور جدید علمی تحقیقات سے ٹکراتی ہیں۔ چنانچہ وحید الدین خان صاحب لکھتے ہیں۔

> "ان (مسلمانوں) کے پاس وہ سچائی ہے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں۔ تجارتی اصطلاح میں انہیں مذہب کے میدان میں ایک قسم کی اجارہ داری (Monopoly) حاصل ہے۔ تمام اہلِ مذاہب میں وہ تنہا گروہ ہیں جن کے پاس بے آمیز مذہبی صداقت موجود ہے، جن کا مذہب پورے معنوں میں تاریخی مذہب ہے جبکہ دوسرے تمام مذاہب غیر معتبر روایات کا مجموعہ ہیں۔ اسلام کے سوا کسی بھی دوسرے مذہب کو تاریخ کی بنیاد حاصل نہیں ہے۔"

اس وقت مسلمانوں کو سیاسی نظام کے حوالے سے مغرب میں مخاصمت بڑھانے کے بجائے اسلام کے فکر و عقیدہ کو پیش کرتے ہوئے مغرب میں درپیش معاشرتی و اخلاقی بحران پر گفتگو کا آغاز کرنا چاہیے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اسلام کی دعوت کا جذبہ رکھنے والے اپنے خول سے باہر نکلیں اور مغرب کے سنجیدہ دانش وروں اور مذہبی طبقہ سے ڈائیلاگ شروع کریں۔ مذہب، آخرت، تمدنی و معاشرتی مسائل، خاندانی نظام استحکام، نئی نسل کی بے راہ روی، انسانیت کی اپنے پیدا کرنے والے سے دوری اور مذہبی گرفت کے کمزور پڑنے کے اسباب جیسے بے شمار عنوانات پر اسلام اور مغرب کے درمیان مکالمے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اس لیے کہ اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعوت کا مذہب ہے۔ وہ پوری انسانیت کی بہبود کے لیے مستقل نظریہ فکر رکھتا ہے۔ ہر مسلمان کو اس موقع کی تلاش میں رہنا چاہیے جہاں بھی وہ اپنی بات پہنچا سکے۔ تھامس مین نے درست کہا ہے، ''گفتگو فی نفسہ تہذیب ہے۔ لفظ چاہے کتنا بھی اختلافی ہو، واسطہ کا ذریعہ بنتا ہے۔''

اس موضوع پر خورشید ندیم صاحب لکھتے ہیں:

> ''مغرب سے مکالمے میں جو بات بطور اصول ملحوظ رہنی چاہیے، وہ نظریے و سیاست کا تفاوت ہے۔ سعودی عرب اور امریکہ کے تعلقات کیا ہیں؟ مشرق وسطیٰ میں امریکہ نے کیا طرز عمل اختیار کر رکھا ہے؟ مسلم اور غیر مسلم ممالک میں تجارت کن بنیادوں پر ہونی چاہیے؟ یہ سوالات عملی سیاست کا موضوع تو ہو سکتے ہیں لیکن کسی نظری بحث کا نہیں۔ اسلام میں ایک ریاست کا قیام کیا فی نفسہ مطلوب ہے؟ اسلام میں انسان کے معاشرتی مسائل کا حل کیا ہے؟ سرمایہ داری اور اسلام کی معاشی تعلیمات میں کہاں کہاں ہم آہنگی اور کہاں کہاں فرق ہے؟ یہ سب سوالات ایک نظری بحث کا موضوع ہونے چاہییں۔ عملاً یہ ہوتا ہے کہ جب بھی اسلام اور مغرب کے درمیان کسی مکالمے کا آغاز ہوتا ہے تو روزمرہ کے سیاسی مسائل کچھ اس طرح غلبہ پا لیتے ہیں کہ نظری مسائل دب کر رہ جاتے ہیں۔ میڈیا کو چونکہ سیاسی مسائل سے زیادہ دل چسپی ہوتی ہے اس لیے وہ اس سارے عمل کو اپنے طور پر متاثر کرتا ہے۔ اس طرح اسلام کا موقف پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا۔ عرب مصنفین کی یونین کے سیکرٹری جنرل علی الکارسان نے درست کہا ہے کہ ''ہم اس صداقت کے دور میں زندہ ہیں جسے میڈیا سچ کہتا ہے نہ کہ حقیقی سچ''۔ ہوتا یہ ہے کہ اہل دانش کی تمام مساعی لاحاصل رہتی ہیں کیونکہ میڈیا کی ساری دل چسپی سیاسی مفادات سے وابستہ ہے اور سیاسی مفادات کا حق و انصاف سے کوئی تعلق نہیں ہوتا''۔

سب جانتے ہیں کہ عرصہ سے مغربی میڈیا پر صیہونیت کی اجارہ داری قائم ہو چکی ہے۔ وہ کمال عیاری سے اسلام کی تصویر مسخ کرنے کا کام خود اسلام کے داعیوں سے لے رہا ہے۔ مغرب میں دعوت و فکر کے بجائے خلافت و جہاد کو مقصد قرار دینا مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ یہاں پُرجوش مسلم رہنماؤں کے بیانات سنیں تو ان میں عموماً دو باتیں پائیں گے: ۱۔ مسلم حکمرانوں پر غیظ و غضب اور ۲۔ مغرب کے اسلام دشمن رول کو پیش کرنا۔ اس طرز عمل سے مشتعل ہو کر مسلم نوجوان ردعمل کی نفسیات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چونکہ مغربی میڈیا مسلمانوں کو مشتعل دکھانا چاہتا ہے، اس لیے وہ ان مسلم رہنماؤں کو زیادہ سے زیادہ کوریج دیتا ہے۔ اس کے دو مقاصد ہیں: ۱۔ دنیا میں مغرب کے کھلے پن اور آزادی رائے کا پروپیگنڈا کرنا ۲۔ ذرائع ابلاغ میں مسلمانوں کی منفی تصویر پیش کرنا تاکہ مقامی لوگوں میں اسلام اور مسلمانوں سے تنفر بڑھتا رہے۔ مسلمانوں کے بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پُرجوش رہنما اپنے طرزِ عمل سے شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلام اور مسلمانوں کی منفی اور انتہا پسندانہ تصویر پیش کرنے میں مغربی میڈیا کی معاونت کر رہے ہیں۔

موجودہ دور میں مغرب میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں ان کی منفی تصویر (Negative Image) بن گئی ہے۔ اس صورتِ حال کو بدلنا اور مسلمانوں کی مثبت تصویر (Positive Image) پیش کرنا وقت کا سب سے بڑا چیلنج ہے اور یہ کام مسلمانوں کو خود کرنا ہوگا اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مسلمان مغربی میڈیا کے اشتعال دلانے پر بھی مشتعل نہ ہوں۔ الغرض ہمیں مغرب سے مکالمہ کا ایجنڈا ترتیب دیتے وقت اس امر کا بطور خاص خیال رکھنا ہوگا کہ مکالمہ فکری و نظری مسائل پر ہو نہ کہ سیاسی و تہذیبی مسائل پر، بصورتِ دیگر جہاں اسلام کی بے شمار تعبیریں سامنے آئیں گی، وہاں مسلمانوں اور اہل مغرب کے مختلف رویے اس کو پیچیدہ بنا دیں گے اور باہمی مکالے کی ساری تگ و دو بحث برائے بحث سے آگے ہی نہیں بڑھ سکے گی بلکہ اندیشہ ہے کہ مزید منافرت و دوری کا ذریعہ بن جائے اس لیے کہ سیاست و اقتدار وہ شے ہے جس کی بنیاد مفادات پر ہے اور مفادات بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتے ہیں اس لیے اگر مسلمانوں نے اسلام کو نظریہ فکر کے بجائے نظامِ ریاست کے طور پر پیش کیا تو ایک طرف سیاسی مفادات اور دوسری طرف صیہونی میڈیا مغرب میں اسلام کے کیس کو تلپٹ کر کے رکھ دیں گے۔ دورِ نبوت سے لے کر عصرِ حاضر تک اسلام کے فکر و نظریہ اور قرآن کے آفاقی و انفسی دلائل کا کفر کے پاس ہمیشہ ایک ہی جواب رہا ہے جسے قرآن نے ان معجز نما الفاظ میں بیان کیا ہے: لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون کہ قرآن کو سنو ہی نہیں اور اگر کوئی سنائے تو مخالفانہ شور و شغب برپا کرو شاید اس طرح تم غالب ہو سکو۔ جس طرح دورِ نبوت میں اسلام کی روشنی کو پھیلنے سے روکنے کے لیے پیغمبرِ اسلام کے ساحر، کاہن، شاعر و مجنون ہونے کا پروپیگنڈا کیا گیا، آج مغرب کی مہذب اقوام نے اسلام کے لیے نئی گالیاں ایجاد کر لی ہیں اور نئے بہتان اور اتہامات تراش لیے ہیں۔ انتہا پسند، بنیاد پرست، انسانی حقوق کے خلاف ہونے کا شور مچا کر مغرب کے ذرائع ابلاغ نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا ہے۔ اس صورتِ حال میں ضروری ہے کہ مسلمان مغربی میڈیا کے اکسانے پر مشتعل نہ ہوں اور صبر و تحمل سے اسلام کے فکر و نظریہ کو پیش کریں تو توقع کی جا سکتی ہے کہ بہت جلد حالات ان کے حق میں ہو جائیں گے کیونکہ مغرب میں مذہبی عصبیت بڑی حد تک ختم ہو چکی ہے۔ گزشتہ کئی صدیوں سے مغرب کے ذہن و فکر کو تشکیل دینے والے بیشتر فلسفی و مفکر یہودی رہے ہیں جیسے ہیگل، کارل مارکس، ڈارون وغیرہ۔ انہوں نے صدیوں کی تگ و دو کے بعد مغرب میں سیاسی، معاشی اور تعلیمی طور پر ایسا نظام قائم کر دیا ہے جس میں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقلیت (یہودی) بآسانی اکثریت پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور ان پر کنٹرول کر سکتی ہے۔ یہودیوں کی خفیہ دستاویز (پروٹوکول) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ دنیا پر ایک خاص نسل کے تسلط قائم کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں دوسری کسی بھی اقلیت کے لیے بہترین مواقع موجود ہیں۔ مسلمان اگر سیاسی محاذ آرائی سے بچتے ہوئے اسلام کو فکری و عملی طور پر پیش کر سکیں تو اس وقت مغرب میں اسلام کے لیے حالات نہایت سازگار ہیں۔ مسلمان مغرب میں وہ حکمت عملی اختیار کریں جو حضرت جعفر طیارؓ نے حبشہ میں مسیحی بادشاہ نجاشی کے ملک میں اختیار کی تھی۔ حضرت جعفر طیارؓ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا تھا، "خدا کی قسم! جو تم نے بیان کیا، عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر زیادہ نہیں۔"

دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ وقت نے خود مخالف اسلام مغربی پروپیگنڈے کے غبارے سے ہوا نکال دی ہے۔ وہ اس طرح کہ صدیوں تک مغرب میں مسلمان کو ایک خونخوار وحشی کے روپ میں پیش کیا جاتا رہا کہ مسلمان بات بات میں مغلوب الغضب ہو جاتا ہے، فوراً تلوار اٹھا کر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اب قدرت نے کروڑوں مسلمانوں کو مغرب میں پہنچا دیا اور یہاں کے عام آدمی کو روزمرہ کی زندگی میں اس "خونخوار" مسلمان سے سابقہ پڑنے لگا۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ کوئی مسلمان اس پر حملہ نہیں کرتا بلکہ وہ بہ نسبت گوروں اور کالوں (ویسٹ انڈیز) کے زیادہ پر امن طور پر رہتا ہے، اس کا خاندانی نظام خوشگوار حد تک مستحکم ہے تو وہ اسلام کے متعلق اپنے بڑوں کی غلط بیانی پر سوچنے لگتا ہے۔ اس طرح بالواسطہ طور پر اسلام کے متعلق بھی غور کرنے لگتا ہے۔ اس موقع پر اگر اسلام کی صحیح اور مثبت فکر پیش کی جائے تو اس کی کامیابی کے امکانات کافی بڑھ جاتے ہیں۔ مغرب میں اسلام کو بطور نظریہ و فکر کے پیش کرنے کا یہی سب سے بہترین وقت ہے کہ مغرب میں ایک نظریاتی خلا پیدا ہو گیا ہے۔ سوویت یونین کا خاتمہ محض ایک فیڈریشن کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک نظریہ کی ناکامی کا اعلان تھا۔ کمیونزم ایک نظریہ تھا جس نے بنی آدم کے اجتماعی مسائل کا ایک حل تجویز کیا۔ ستر برس کے تجربے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ انسان کے مسائل نہ صرف برقرار ہیں بلکہ ان میں اضافہ بھی ہو چکا ہے۔ اشتراکیت و سرمایہ داری کے اس تصادم میں سرمایہ داری کو ہر طور پر کامیابی ہوئی۔ اس وقت عالمی سطح پر سرمایہ داری کو کوئی نظری چیلنج درپیش نہیں لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے، کسی نظریہ کی بقا کے لیے اس کی ضد کا ہونا ضروری ہے۔ اس بنا پر ان لوگوں کا کہنا ہے کہ سرمایہ داری کو اگر کسی نظری چیلنج کا سامنا ہوا تو اس کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی، اس صورت میں اس کے داخلی تضادات سامنے آئیں گے اور یہ نظریہ خود اپنے ہی وجود میں شکست و ریخت کے عمل سے گزرے گا جو بالآخر اس کی موت پر منتج ہوگا۔ ان کے نزدیک جو نظریہ سرمایہ داری کو چیلنج کر سکتا ہے، وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام ہے اس لیے کمیونزم کے بعد اسلام کو متوقع خطرہ کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ مغرب کی ایک اسلام دشمن طاقت ور لابی جو اسلام کے نظریہ کی طاقت سے خوف زدہ ہے، اس کی حکمت عملی یہ ہے کہ اسلام کو تہذیبی و سیاسی طور پر مغرب کا حریف بنا کر پیش کیا جائے تا کہ اسلام کے خلاف اس حد تک نفرت بڑھ جائے کہ اہلِ مغرب کھلے دل سے اسلام کے نظریہ وفکر پر غور نہ کر سکیں۔ بد قسمتی سے بعض نادان مسلم رہنما جنہوں نے مسلم ممالک میں بھی اسلام کو اپنے حکمرانوں سے ٹکراؤ کا عنوان بنا کر مسلم حکمرانوں کو غیر ضروری طور پر اسلامی تحریکوں کا دشمن بنا دیا ہے، وہ سیاسی طور پر ٹکرا کر مسلم ملکوں میں اسلامی دعوت کے مواقع برباد کر چکے ہیں۔ یہ لوگ عملاً یہاں مغرب میں بھی یہی کر رہے ہیں۔ انہوں نے خلافت و جہاد کے نام پر ہنگامے کھڑے کر کے محاذ آرائی شروع کر رکھی ہے۔ غرض دونوں جگہ ان پر جوش مسلم رہنماؤں نے ایک بے فائدہ لڑائی چھیڑی ہوئی ہے۔ ان لڑائیوں نے اسلام کی دعوت وفکر پیش کرنے کے مواقع برباد کر کے رکھ دیے ہیں۔ دنیا کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے کرنے کا اہم ترین کام صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کو لے کر اٹھیں، علمی و عملی طور پر اس کے نظریہ وفکر کو پیش کریں۔ اس طرح وہ خدا کی رحمتوں کا سب سے زیادہ حصہ پانے کے حق دار ٹھہریں گے۔ یہی وہ کام ہے جس پر ان کی دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات وابستہ ہے۔

دینی مدارس کی مثالی خدمات

جنوبی ایشیا میں دینی مدارس کے معاشرتی کردار، دینی و علمی خدمات، دینی مدارس کے خلاف عالمی لابیوں کی مہم اور نصاب و نظام کی اصلاح و بہتری کے لیے تجاویز کے بارے میں

مدیر ''الشریعہ'' مولانا زاہد الراشدی

کے ''الشریعہ''، ''اوصاف'' اور دیگر جرائد میں شائع ہونے والے مضامین کا ایک انتخاب حافظ عبد الوحید اشرف نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔

صفحات: ۹۶۔ خوبصورت ٹائٹل اور مضبوط جلد۔ قیمت: ۶۰ روپے

ناشر: مکہ کتاب گھر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

© rasailojaraid.com